ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2902

Program: BS (Islamic Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ — شعبہ حدیث وعلوم حدیث

کورس: مطالعہ متن حدیث 1 (2902) • سطح: بی ایس (علوم اسلامیہ)

سمسٹر: خزاں 2026

کریڈٹ: 3

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ نمبر 5-8)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے حالاتِ زندگی اور تالیفات

سوال نمبر 1۔ امام ابوداؤدؒ کے حالات زندگی اور ان کی تالیفات پر جامع نوٹ لکھیں۔ (20)

تعارف

امام ابو داؤد رحمہ اللہ کا شمار صحاحِ ستہ کے ائمہ میں ہوتا ہے اور ان کی کتاب "سنن ابی داؤد" کو فقہی احادیث کی سب سے اہم کتابوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ جہاں امام مسلم رحمہ اللہ کی صحیح نے صحتِ روایت کے بلند معیار کو نمایاں کیا، وہیں امام ابو داؤد نے احکام و مسائل سے متعلق احادیث کو جمع کر کے امت کے فقہاء اور طلبہ کے لیے ایک عظیم سرمایہ فراہم کیا۔ ان کی زندگی بھی طلبِ حدیث، طویل اسفار اور تصنیف و تدریس کی روشن مثال ہے۔ اس جواب میں ان کے نام و نسب، پیدائش، تعلیم، اسفار و اساتذہ، علمی مقام، سنن ابی داؤد کی خصوصیات، دیگر تالیفات اور وفات کا جامع جائزہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ طالب علم کو ان کی شخصیت و خدمات کی متوازن تصویر حاصل ہو۔

نام، نسب، کنیت اور پیدائش

امام صاحب کا نام سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر الازدی السجستانی ہے اور ان کی کنیت ابو داؤد ہے جس سے وہ تاریخِ حدیث میں معروف ہوئے۔ ان کا آبائی علاقہ سجستان ہے جو اس دور میں خراسان و فارس کے سرحدی خطے کا مشہور علاقہ تھا اور اسی نسبت سے وہ سجستانی کہلاتے ہیں۔ ان کی پیدائش 202ھ (817ء کے لگ بھگ) میں ہوئی۔ ان کا خاندان ازد قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ کم عمری ہی سے ان میں علم کا شوق نمایاں تھا اور سجستان کی ابتدائی علمی فضا کے بعد وہ اس دور کے بڑے علمی مراکز کی طرف متوجہ ہوئے، کیونکہ حدیث کا علم اس زمانے میں روایت در روایت اور شہر در شہر سفر کر کے حاصل ہوتا تھا۔ ان کی پیدائش اور نسب کے بارے میں تذکرہ نگاروں کا بیان کافی حد تک متفقہ ہے، اس لیے یہ معلومات ان کی سوانح کا پختہ حصہ سمجھی جاتی ہیں۔

طلبِ علم، اسفار اور اساتذہ

امام ابو داؤد نے خراسان، عراق، حجاز، مصر اور شام سمیت اسلامی دنیا کے بڑے مراکز کا سفر کیا۔ نیشاپور، بغداد، بصرہ، کوفہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، دمشق اور مصر کے شہروں میں انہوں نے بڑے بڑے شیوخ سے احادیث سنیں اور لکھیں۔ ان کے اساتذہ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا نام خاص طور پر نمایاں ہے جن سے انہوں نے حدیث کے ساتھ فقہی ذوق بھی پایا۔ ان کے دیگر مشہور اساتذہ میں قتیبہ بن سعید، مسدد بن مسرہد اور ابو الولید طیالسی جیسے نام آتے ہیں۔ امام ابو داؤد بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے پانچ لاکھ

احادیث لکھیں جن میں سے منتخب کر کے اپنی سنن میں تقریباً چار ہزار آٹھ سو احادیث درج کیں؛ یہ بیان ان کی وسیع محنت اور پھر سخت انتخاب دونوں کو ظاہر کرتا ہے۔ ان کے شاگردوں میں ان کے صاحبزادے ابو بکر بن ابی داؤد اور امام ترمذی و نسائی جیسے نام شامل بتائے جاتے ہیں، جس سے ان کے علمی حلقے کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے۔

علمی مقام اور اخلاق و تقویٰ

امام ابو داؤد کو ان کے معاصرین اور بعد کے محدثین نے حافظ، ناقد اور فقیہ کی حیثیت سے یاد کیا ہے۔ علمِ علل اور راویوں کی پرکھ میں وہ گہری نظر رکھتے تھے۔ بصرہ میں قیام کے دوران ان کا علمی حلقہ بہت وسیع ہوا اور دور دور سے طلبہ ان کے پاس آتے تھے۔ ان کی زندگی کی سادگی، تقویٰ اور قناعت سے عبارت تھی۔ ایک مشہور واقعہ ان کے زہد کی مثال کے طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ خلیفہ کے دربار سے متعلق ایک موقع پر بھی انہوں نے اپنے آستین کے کپڑوں میں فرق کے بارے میں دنیاوی تکلف سے بے نیازی کا درس دیا؛ اس نوعیت کے واقعات تذکروں میں ان کی بے نیازی ظاہر کرنے کے لیے نقل ہوتے ہیں۔ ان کی شخصیت کا اصل کمال یہ تھا کہ انہوں نے اپنی کتاب کو کبھی مطلق صحت کا دعویٰ کر کے پیش نہیں کیا بلکہ علمی دیانت کے ساتھ اس کی حیثیت خود واضح کر دی، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

سنن ابی داؤد: تعارف اور خصوصیات

سنن ابی داؤد ان کی زندگی کی سب سے بڑی یادگار ہے۔ اس کتاب کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں زیادہ تر وہ احادیث جمع کی گئی ہیں جو احکام و مسائل سے تعلق رکھتی ہیں اور جن پر فقہاء کا عمل رہا ہے، اسی لیے اسے فقہی حدیث کی بنیادی کتاب سمجھا جاتا ہے۔ کتاب کو ابواب و کتب کی ترتیب پر مرتب کیا گیا ہے، جیسے کتاب الطہارہ، کتاب الصلوٰۃ اور کتاب الزکوٰۃ وغیرہ۔ امام ابو داؤد نے اہلِ مکہ کے نام اپنے ایک مشہور خط میں کتاب کا منہج خود بیان کیا ہے کہ انہوں نے ہر باب میں صحیح ترین روایات لانے کی کوشش کی، سخت ضعیف روایت درج نہیں کی، اور جہاں کسی روایت میں کمزوری ہو وہاں اس کی طرف اشارہ کر دیا؛ ان کا معروف بیان ہے کہ جس حدیث پر انہوں نے سکوت کیا ہو وہ صالح درجے کی ہے، یعنی استدلال کے قابل ہو سکتی ہے۔ یہ منہجی وضاحت اس کتاب کو طالب علم کے لیے خاص طور پر مفید بناتی ہے، کیونکہ وہ ہر روایت کو اسی تناظر میں پڑھتا ہے۔

جدول: امام ابو داؤد رحمہ اللہ کی اہم تالیفات

موضوع / تعارف	کتاب
احکام و فقہی احادیث کا مجموعہ؛ صحاحِ ستہ میں شامل	سنن ابی داؤد
مرسل روایات کا مجموعہ	کتاب المراسیل
امام احمد بن حنبل سے پوچھے گئے مسائل و جوابات	المسائل (مسائل الامام احمد)
سنن کے منہج کی خود امام کی بیان کردہ وضاحت	رسالہ الی اہل مکہ
زہد و رقاق سے متعلق روایات؛ نسبت تذکروں میں مذکور	کتاب الزہد
نبوت کی دلائل و دیگر موضوعات؛ بعض نسبتوں میں محققین کی بحث ہے	دلائل النبوۃ وغیرہ

جدول کی آخری سطروں کے بارے میں یہ احتیاط ضروری ہے کہ قدیم ائمہ کی طرف منسوب تمام کتابیں یکساں درجے سے ثابت نہیں ہوتیں اور بعض کی نسبت میں محققین کے درمیان بحث پائی جاتی ہے۔ اس لیے طالب علم کو تذکرہ نگاروں کے بیان کو اسی احتیاط کے ساتھ پیش کرنا چاہیے اور سنن جیسی متفقہ کتاب اور اختلافی نسبت والی کتاب کو ایک ہی درجے میں نہیں رکھنا چاہیے۔ سنن ابی داؤد پر بعد میں بڑی شروح لکھی گئیں جن میں خطابی کی معالم السنن اور عظیم آبادی کی عون المعبود خاص طور پر مشہور ہیں۔ ان شروح نے اس کتاب کے فقہی نکات کو پوری امت کے طلبہ کے لیے آسان بنا دیا ہے۔

بصرہ میں قیام اور وفات

امام ابو داؤد نے زندگی کا آخری بڑا حصہ بصرہ میں گزارا جہاں ان کی درس گاہ علم کا مرکز بن گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ بصرہ کے والی کی خواہش پر وہ وہاں منتقل ہوئے تاکہ شہر میں علمِ حدیث کی رونق بحال ہو۔ ان کی وفات 16 شوال 275ھ (889ء) میں بصرہ میں ہوئی اور وہیں تدفین ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر ستر برس سے زائد تھی۔ ان کی وفات کو

علمِ حدیث کے ایک عہد کا اختتام سمجھا جاتا ہے، مگر ان کی سنن کی صورت میں ان کی علمی زندگی آج تک جاری ہے۔ وفات کا سال اور مقام تذکرہ نگاروں کے ہاں معروف و متفقہ امور میں سے ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ محدث بھی تھے اور فقہی ذوق رکھنے والے ناقد بھی۔ پانچ لاکھ روایات کے ذخیرے میں سے سخت انتخاب کر کے احکام کی احادیث کو مرتب کرنا، اپنے منہج کو خط کی صورت میں خود واضح کرنا اور زندگی بھر بصرہ و دیگر مراکز میں تدریس کرنا ان کی نمایاں خدمات ہیں۔ ایک طالب علم کے لیے ان کی سیرت کا سبق یہ ہے کہ علمی عظمت کا راستہ وسیع مطالعہ، سخت انتخاب اور علمی دیانت سے ہو کر گزرتا ہے۔ اسی لیے سنن ابی داؤد پڑھتے وقت امام کے بیان کردہ اصول کو سامنے رکھنا اس کتاب سے صحیح فائدہ اٹھانے کی شرط ہے۔

سوال نمبر 2: آپ ﷺ کے اخلاقِ کریمہ — روایات کی روشنی میں

سوال نمبر 2۔ آپ ﷺ کے اخلاق کریمہ کو روایات کی روشنی میں تفصیل سے بیان کریں۔ (20)

تعارف

نبی کریم ﷺ کی شخصیت کا سب سے نمایاں پہلو آپ کے اخلاقِ کریمہ ہیں۔ قرآن مجید نے آپ ﷺ کے اخلاق کو "خلقِ عظیم" قرار دیا اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کا اخلاق قرآن تھا، یعنی قرآن کی تعلیمات آپ کی عملی زندگی میں ڈھلی ہوئی تھیں۔ آپ ﷺ نے خود اپنی بعثت کا مقصد مکارمِ اخلاق کی تکمیل قرار دیا ہے۔ اس جواب میں روایات کی روشنی میں آپ ﷺ کے اخلاق کے اہم پہلوؤں یعنی صدق و امانت، رحمت و

شفقت، عفو و درگزر، سخاوت، تواضع، عدل و شجاعت اور گھریلو و سماجی زندگی کے اخلاق کو ترتیب وار بیان کیا جائے گا، کیونکہ یہی اخلاق مطالعۂ حدیث کے ان یونٹس کا اصل پیغام ہے۔

صدق و امانت

نبوت سے پہلے ہی اہلِ مکہ آپ ﷺ کو صادق اور امین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ لوگ اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھتے تھے اور ہجرت کی رات بھی آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امانتیں ان کے مالکوں تک پہنچانے کی ذمہ داری دے کر مدینہ روانہ کیا، حالانکہ وہی لوگ آپ کی جان کے دشمن بن چکے تھے۔ یہ واقعہ امانت کے اس معیار کو ظاہر کرتا ہے جو دشمن کے ساتھ بھی برقرار رہتا ہے۔ آپ ﷺ کی سچائی کی گواہی مخالفین نے بھی دی؛ ہرقل کے دربار میں ابوسفیان نے تسلیم کیا تھا کہ انہوں نے آپ ﷺ پر کبھی جھوٹ کا الزام نہیں لگایا تھا، جس کا ذکر اسائنمنٹ نمبر 1 میں بھی آیا ہے۔ جھوٹ سے آپ ﷺ اس قدر نفرت فرماتے تھے کہ مزاح میں بھی جھوٹ بولنے کو پسند نہ فرماتے، اور آپ کا ارشاد ہے کہ سچ نیکی کی طرف لے جاتا ہے اور نیکی جنت کی طرف۔

رحمت و شفقت

قرآن نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت قرار دیا اور یہ رحمت آپ کی پوری زندگی میں نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ بچوں سے شفقت فرماتے، انہیں سلام کرتے اور ان کے ساتھ نرمی برتتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے دس سال آپ ﷺ کی خدمت کی مگر آپ نے کبھی انہیں اف تک نہ کہا اور نہ کسی کام پر یہ کہا کہ تم نے یوں کیوں کیا۔ جانوروں کے ساتھ بھی آپ ﷺ کی رحمت روایات میں نمایاں ہے؛ اونٹ کے رونے اور اس کے مالک کو بھاری بوجھ اور بھوک کی شکایت جیسے واقعات مشہور ہیں۔ حتیٰ کہ دشمنوں کے لیے بھی آپ کی رحمت کا مظاہرہ طائف کے دن ہوا جہاں پتھر کھانے کے باوجود آپ ﷺ نے ان کے حق میں بددعا کے بجائے ان کی آئندہ نسلوں کی ہدایت کی امید رکھی۔ یہ رحمت محض جذباتی نرمی نہ تھی بلکہ اصول تھا کہ آسانی پیدا کرو، نفرت نہ پھیلاؤ۔

عفوودرگزراورحلم

آپ ﷺ کے حلم وعفو کی سب سے بڑی مثال فتح مکہ کا دن ہے۔ جن لوگوں نے آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں پر تیرہ سال ظلم کیے تھے، وہ اس دن آپ کے سامنے بے بس تھے، مگر آپ ﷺ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے الفاظ کی پیروی کرتے ہوئے فرمایا کہ آج تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔ ذاتی انتقام لینا آپ ﷺ کی عادت نہ تھی؛ روایت ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی اپنے لیے کسی سے بدلہ نہیں لیا، البتہ اللہ کی حدود کی خلاف ورزی پر آپ کا غضب ظاہر ہوتا تھا۔ ایک اعرابی نے چادر کھینچ کر گردن پر نشان ڈال دیا مگر آپ ﷺ مسکرا کر اس کی ضرورت پوری کرنے کا حکم دیا۔ ایسے واقعات بتاتے ہیں کہ آپ کا غصہ نفس کے لیے نہیں بلکہ حق کے لیے تھا، اور یہی حلم ایک رہنما کی سب سے مشکل اور سب سے اعلیٰ صفت ہے۔

سخاوت وایثار

آپ ﷺ کی سخاوت کو روایات میں بادلوں سے بھی زیادہ فیاضی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں آپ کی سخاوت تیز ہوا سے بھی بڑھ جاتی تھی۔ کوئی سائل آپ کے دروازے سے خالی واپس نہیں جاتا تھا؛ اگر پاس کچھ نہ ہوتا تو آپ ﷺ قرض لے کر دینے یا بھلے وعدے سے کام چلاتے تھے۔ آپ ﷺ اپنی ذات پر انتہائی سادگی اختیار کرتے تھے؛ گھر میں کبھی کبھی چولہا نہ جلتا اور مہینوں کھجور و پانی پر گزارا ہوتا، مگر دوسروں کو دینے میں آپ کا ہاتھ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ ایثار کی یہ کیفیت صحابہ کرام میں بھی منتقل ہوئی جنہوں نے مہاجرین اور انصار کی مواخات کے ذریعے اس کی عملی تصویر دنیا کے سامنے رکھ دی۔

تواضع، سادگی اور عدل

تواضع آپ ﷺ کے اخلاق کی روح تھی۔ آپ ﷺ مجالس میں اس طرح بیٹھتے کہ نیا آنے والا پوچھتا کہ تم میں محمد کون ہیں؛ گھر کے کاموں میں اہلِ خانہ کا ہاتھ بٹاتے، اپنے جوتے اور کپڑے خود درست فرما لیتے اور بازار سے سامان خود اٹھا لاتے تھے۔ کھانے میں عیب نکالنا آپ کی عادت نہ تھی؛ پسند آتا تو کھا لیتے، نہ آتا تو چھوڑ دیتے۔ عدل کے

معاملے میں آپ ﷺ نے یہ تاریخ ساز اصول دیا کہ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جاتا، جب قبیلۂ مخزوم کی عورت کے معاملے میں سفارش کی کوشش ہوئی۔ شجاعت میں بھی آپ سب سے آگے تھے؛ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لڑائی سخت ہوتی تو ہم آپ ﷺ کے پیچھے پناہ لیتے تھے۔ یہ توازن یعنی نرمی کے ساتھ عدل و شجاعت کا اجتماع ہی خلقِ عظیم کی اصل [illegible]۔

ازواج، اہلِ خانہ اور سماجی تعلقات میں اخلاق

گھریلو زندگی میں آپ ﷺ بہترین شوہر اور شفیق سربراہ تھے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے لیے بہترین ہو اور میں اہلِ خانہ کے لیے تم سب سے بہتر ہوں۔ پڑوسیوں کے حقوق، مہمان نوازی، بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت آپ کی سماجی زندگی کے نمایاں اصول تھے۔ آپ ﷺ عیادت کے لیے تشریف لے جاتے، جنازوں میں شریک ہوتے اور غلاموں و کمزوروں کے ساتھ کھانا کھانے میں عار محسوس نہ کرتے۔ یتیم کی کفالت کو آپ نے جنت میں اپنے قرب کی بشارت سے جوڑا دیا۔ ان تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے اخلاق صرف مسجد و محراب تک محدود نہ تھے بلکہ گھر، بازار، سفر، جنگ اور امن ہر میدان میں ایک جیسے روشن تھے۔

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اخلاقِ کریمہ قرآن کی عملی تفسیر ہیں۔ صدق و امانت نے آپ کو دشمنوں کی نظر میں بھی معتبر بنایا، رحمت نے دلوں کو جوڑا، عفو نے فتوحات کو انتقام کے بجائے اصلاح کا ذریعہ بنایا اور تواضع و عدل نے قیادت کا ایسا نمونہ قائم کیا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ مطالعۂ حدیث کے طالب علم کے لیے اصل فائدہ یہی ہے کہ وہ ان روایات کو صرف معلومات کے طور پر نہ پڑھے بلکہ اپنی زندگی کے ہر شعبے میں انہیں معیار بنائے، کیونکہ اخلاق ہی وہ پیمانہ ہے جس پر دین کی سچائی کو عملی دنیا میں پرکھا جاتا ہے۔

سوال نمبر 3: حدیثِ اخوت کا ترجمہ اور تشریح

سوال نمبر 3۔ "اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہٗ، وَلَا یُسْلِمُہٗ، مَنْ کَانَ فِی حَاجَۃِ اَخِیْہِ فَاِنَّ اللّٰہَ فِی حَاجَتِہٖ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَۃً فَرَّجَ اللّٰہُ عَنْہُ بِھَا کُرْبَۃً مِنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ" حدیث کا ترجمہ اور تشریح لکھیں۔ (20)

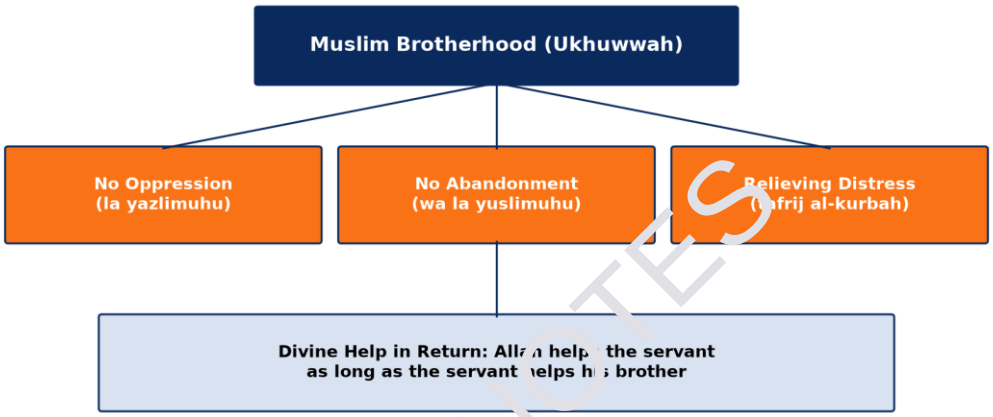
تعارف

یہ حدیث اسلامی معاشرے کی بنیاد یعنی دینی بھائی چارے اور باہمی مدد کے اصول کو بیان کرتی ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اور دیگر طرق سے مروی ہے۔ اس میں پانچ جامع جملے ہیں جن میں سے ہر جملہ ایک پورا سماجی اصول ہے۔ اس جواب میں پہلے حدیث کا لفظی و بامحاورہ ترجمہ پیش کیا جائے گا، پھر اس کے اہم الفاظ کی تشریح، پھر حدیث کے بڑے مدارج یعنی ظلم کی ممانعت، بے یاری کی ممانعت، حاجت روائی کا اجر اور تفریج دور کرنے کی فضیلت الگ الگ بیان ہوں گے، پھر اس حدیث کے معاشرتی اسباق اور آخر میں نتیجہ پیش کیا جائے گا۔

حدیث کا ترجمہ

ترجمہ: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے؛ نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے (یا ظالم کے حوالے کرتا ہے)۔ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرنے میں ہوتا ہے، اور جو شخص کسی مسلمان کی کوئی تکلیف و پریشانی دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے قیامت کے دن کی تکلیفوں میں سے ایک تکلیف اس سے دور فرما دے گا۔ بعض طرق میں اس حدیث کے آگے یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا، اور یہ حصہ صحیح مسلم وغیرہ کی روایات میں اسی حدیث کے تسلسل میں ملتا ہے۔ سوال میں دیا گیا حصہ انہی افکار کا مرکزی متن ہے، اس لیے ترجمہ اسی حصے کے مطابق کیا گیا ہے۔

Figure 3: Main Teachings of the Hadith of Brotherhood



شکل: حدیثِ اخوت کے بنیادی نکات

تشریح: مسلمان کا بھائی ہونا

حدیث کا پہلا جملہ ایک خبر نہیں بلکہ ایک نظامِ زندگی کا اعلان ہے۔ قرآن مجید میں بھی ارشاد ہے کہ مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ بھائی چارے کا یہ رشتہ نسب یا رنگ و وطن پر نہیں بلکہ ایمان کی مشترکہ بنیاد پر قائم ہے، اس لیے یہ قومی اور لسانی بھائی چارے سے زیادہ مضبوط اور زیادہ وسیع ہے۔ جب ایک شخص اپنے مسلمان بھائی کو سچا بھائی سمجھے گا تو اس کے دل میں اس کے لیے وہی خیر خواہی پیدا ہو گی جو اپنے سگے بھائی کے لیے ہوتی ہے۔ یہی احساس حدیث کے اگلے تمام احکام کی جڑ ہے، کیونکہ ظلم نہ کرنا، مدد کرنا اور تکلیف دور کرنا اسی رشتے کے فطری تقاضے ہیں۔ شارحین بیان کرتے ہیں کہ اس اخوت کے حقوق میں سلام، دعوت کی قبولیت، خیر خواہی، چھینک کا جواب، عیادت اور جنازے میں شرکت جیسے معروف حقوق بھی شامل کیے جاتے ہیں جو دوسری روایات میں بیان ہوئے ہیں۔

تشریح: ظلم نہ کرنا اور بے یار نہ چھوڑنا

"لَا يَظْلِمُهُ" کا مطلب ہے کہ مسلمان اپنے بھائی پر کسی بھی قسم کا ظلم نہیں کرتا؛ نہ جان پر، نہ مال پر، نہ عزت و آبرو پر۔ ظلم کی یہ ممانعت عملاً بھی ہے اور زبان سے بھی، کیونکہ غیبت، بہتان، طعنہ اور مذاق اڑانا بھی عزت پر ظلم ہے۔ "وَلَا يُسْلِمُهُ" کے شارحین نے دو مفہوم بیان کیے ہیں: ایک یہ کہ وہ اسے ظالم کے حوالے نہیں کرتا اور اس کی کمزوری

سے فائدہ اٹھا کر اسے تنہا نہیں چھوڑتا؛ دوسرا یہ کہ جب اس کا بھائی مصیبت میں ہو تو وہ اس کی نصرت سے ہاتھ نہیں کھینچتا۔ دونوں مفاہیم باہم متعارض نہیں بلکہ تکمیلی ہیں۔ اس حصے سے ایک بڑا اصول نکلتا ہے کہ معاشرے میں ظلم کو روکنا صرف مظلوم کا مسئلہ نہیں، ہر بھائی کی ذمہ داری ہے، اور بے حسی بھی ایک قسم کی شرکتِ ظلم بن سکتی ہے۔

تشریح: حاجت روائی اور اللہ کی مدد

حدیث کا تیسرا جملہ عمل کی ترغیب کا عظیم اصول دیتا ہے کہ جو اپنے بھائی کی حاجت میں ہوتا ہے اللہ اس کی حاجت میں ہوتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے بندے کی مدد و نصرت فرماتا ہے، اس کے کاموں میں آسانی پیدا کرتا ہے اور اس کی ضرورتوں کی کفالت اپنے فضل سے فرماتا ہے۔ صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں یہ بات واضح الفاظ میں آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔ یہ اسلوب انسان کو یہ یقین دلاتا ہے کہ خدمتِ خلق وقت کا ضیاع نہیں بلکہ اللہ کی مدد کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ ہے۔ حاجت بھی وسیع لفظ ہے؛ مال کی ضرورت، سفارش کی حاجت، علم یا مشورے کی طلب، بیمار کی تیمارداری اور ذہنی پریشانی میں تسلی، سب اس میں داخل ہیں۔

تشریح: تکلیف دور کرنے کی فضیلت

آخری جملے میں "کربہ" یعنی ایسی تکلیف و گھٹن کا ذکر ہے جو انسان کو بے چین کر دے، مثلاً قرض کا بوجھ، بیماری، بھوک، خوف یا کوئی اچانک مصیبت۔ خوشخبری یہ دی گئی ہے کہ دنیا کی ایک تکلیف دور کرنے کے بدلے قیامت کی بڑی تکلیفوں میں سے ایک تکلیف دور کر دی جائے گی، حالانکہ دنیا کی تکلیف اور آخرت کی تکلیف میں کوئی نسبت نہیں؛ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل کی وسعت ہے کہ چھوٹے عمل پر بڑا بدلہ عطا ہوتا ہے۔ اس میں یہ نکتہ بھی ہے کہ بدلہ عمل کی جنس سے دے دیا گیا ہے: جس نے دوسرے کی تنگی کو فراخی سے بدلا، اللہ اس کی تنگی کو فراخی سے بدلے گا۔ اسی کو شارحین "الجزاء من جنس العمل" کا اصول کہتے ہیں جو احادیث میں بار بار نظر آتا ہے۔

جدول: حدیث کے جملوں اور ان کے تقاضوں کا خلاصہ

حدیث کا حصہ	مفہوم	عملی تقاضا
المسلم اخو المسلم	ایمانی بھائی چارہ	ہر مسلمان سے خیر خواہی
لایظلمہ	ظلم کی حرمت	جان، مال، عزت کی حفاظت
ولایسلمہ	بے یار نہ چھوڑنا	مصیبت میں نصرت و ساتھ
من کان فی حاجۃ اخیہ	حاجت روائی	خدمتِ خلق میں پیش پیش رہنا
فرج عن مسلم کربۃ	تکلیف دور کرنا	قیامت کی آسانی کا ذریعہ

معاشرتی اسباق اور نتیجہ

اس حدیث سے آج کے معاشرے کے لیے واضح اسباق ملتے ہیں۔ اول یہ کہ سماجی سلامتی کا راستہ قانون سے پہلے اخلاق سے ہو کر نکلتا ہے؛ جب لوگ ایک دوسرے کو بھائی سمجھیں گے تو ظلم و دھوکے کا بازار خود سر د پڑے گا۔ دوم یہ کہ مدد انفرادی نیکی بھی ہے اور اجتماعی نظام بھی؛ مستحقین کی کفالت، قرض داروں کی مدد اور مریضوں کی عیادت کو ادارہ جاتی صورت دینا اسی حدیث کی روح کے مطابق ہے۔ سوم یہ کہ عبادت صرف انفرادی اعمال کا نام نہیں، خلق کی خدمت بھی بعینہٖ عبادت اور آخرت کی نجات کا ذریعہ ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ یہ حدیث ایک مکمل سماجی منشور ہے: ظلم سے پاک، بے حسی سے خالی اور خدمت و ہمدردی سے بھرپور معاشرہ اسی حدیث کی عملی تفسیر ہو گا۔ طالب علم کو چاہیے کہ وہ اس تشریح کو اپنی زندگی میں کم از کم ایک عمل یعنی کسی کی ایک تکلیف دور کرنے سے جوڑے، تب ہی اس مطالعے کا اصل مقصد پورا ہو گا۔

سوال نمبر 4: دینِ اسلام میں گانے بجانے کی حرمت

سوال نمبر 4۔ دینِ اسلام میں گانے بجانے کی حرمت پر تفصیلی مضمون لکھیں۔ (20)

تعارف اور وضاحتِ دائرہ

گانے بجانے کا مسئلہ ان موضوعات میں سے ہے جن پر کورس کی کتاب میں دلائل کی روشنی میں تفصیلی مضمون لکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ یہ مضمون تعلیمی مقصد کے لیے تحریر کیا جا رہا ہے جس میں قرآن و حدیث اور جمہور علمائے امت کے بیان کردہ دلائل کو علمی انداز میں پیش کیا جائے گا۔ ساتھ ہی یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ جزئی صورتوں میں مثلاً کس آلے کا حکم کیا ہے یا کسی خاص موقع کی تفصیل کیا بنتی ہے، یہ فقہی اجتہاد کے مباحث ہیں اور ان کے بارے میں علماء کے بیانات میں تفصیلات کا اختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ کسی فرد یا موقع کے بارے میں قطعی فتویٰ دینا اہلِ علم اور مفتیانِ کرام کا کام ہے؛ اس مضمون کا مقصد صرف کورس کے مقررہ نکتۂ نظر اور اس کے معیاری دلائل کو واضح کرنا ہے تاکہ طالب علم نصوص کی بنیاد سمجھ سکے۔

موضوع کی تعیین: گانا بجانا کسے کہتے ہیں؟

بحث کی ابتدا میں یہ طے کرنا ضروری ہے کہ گانے بجانے سے مراد عام طور پر وہ لہو و لعب ہے جس میں فحش یا بے ہودہ اشعار، آلاتِ موسیقی کی محفلیں اور غفلت پیدا کرنے والا ماحول شامل ہو۔ یہی وہ صورت ہے جس پر کورس کی کتاب اور جمہور علماء کے دلائل مرکوز ہیں۔ اس کے بالمقابل صاف ستھری نظم و نعت، بغیر آلات کے پاکیزہ اشعار اور خوشی کے موقع پر دف جیسی بعض صورتوں کے بارے میں روایات و فقہی مباحث الگ سے موجود ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔ اس تفریق کے بغیر بحث الجھ جاتی ہے، کیونکہ شریعت نے آواز و شاعری کو مطلقاً ممنوع نہیں قرار دیا بلکہ اس کے مضر اور بے ہودہ استعمال کو روکا ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں شعر پڑھنا معروف ہے، جس سے شاعری کی جائز صورت کا ثبوت ملتا ہے۔

قرآنی دلائل کا مطالعہ

اس باب میں سب سے پہلا استدلال سورۂ لقمان کی آیت 6 سے کیا جاتا ہے جس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اللہ کے راستے سے گمراہ کرنے کے لیے "لہو الحدیث" خریدتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں گانے کا ذکر منقول ہے اور انہوں نے اس پر قسم کھا کر اپنی رائے ظاہر کی تھی؛ حضرت ابن عباس اور حضرت

جابر رضی اللہ عنہم سے بھی اسی مفہوم کی تفسیر مروی ہے۔ دوسرا استدلال سورۂ اسراء کی آیت 64 سے کیا جاتا ہے جس میں شیطان کو مخاطب کر کے "اپنی آواز" سے بہکانے کا ذکر ہے، اور بعض مفسرین نے اس آواز کی تفسیر گانے بجانے سے کی ہے۔ تیسرا مقام سورۂ نجم کی آیت 61 ہے جہاں "سامدون" کی تفسیر بعض اہلِ لغت و تفسیر نے گانے والوں سے کی ہے۔ ان آیات کی تفسیری حیثیت یہ ہے کہ ان سے استدلال صحابہ و تابعین کے فہم پر قائم ہے اور اسی بنیاد پر یہ دلائل کتابوں میں درج ہوتے آئے ہیں۔

احادیث سے استدلال

احادیث میں صحیح بخاری کی وہ مشہور روایت اس باب کی مرکزی دلیل سمجھی جاتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو ریشم، شراب اور آلاتِ موسیقی (معازف) کو حلال سمجھنے لگیں گے۔ اس روایت کا مفہوم یہ ہے کہ جن چیزوں کو اللہ نے حرام کیا، ان کو حلال سمجھ لینا ہی اصل خرابی ہے، نہ کہ ان کا وجود۔ بعض شارحین نے اس روایت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میں گانے والوں کو حلال سمجھنے کو برائی کے طور پر ذکر کرنے کا کوئی معنی نہیں بنتا۔ اس کے علاوہ دیگر روایات میں گانے والی قینات کی خرید و فروخت اور ان کی اجرت سے متعلق ممانعت کے مباحث بھی کتب میں آتے ہیں، البتہ طالب علم کو یہ علمی امانت بھی مدنظر رکھنی چاہیے کہ بخاری کی مرکزی روایت کے سوا بعض روایات کی اسانید پر محدثین نے کلام کیا ہے اور یہ بات بھی علمی کتابوں میں درج ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کے مزار یعنی بانسری نما آلے کو شیطان سے نسبت دینے والی روایت مسلم میں آتی ہے جس سے آلاتِ طرب کی مذمت کا عمومی مزاج ظاہر ہوتا ہے۔

جمہور علماء کا موقف اور حکمتیں

چاروں مشہور فقہی مسالک کے جمہور علماء نے بے ہودہ گانے اور آلاتِ موسیقی کی محفلوں کو ناجائز قرار دیا ہے اور اس موضوع پر متعدد مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں امام ابن قیم وغیرہ کے مباحث مشہور ہیں۔ حرمت کی حکمتوں میں یہ باتیں بیان کی جاتی ہیں: گانا دل میں نفاق اور غفلت پیدا کرتا ہے اور ذکرِ الٰہی سے روکتا ہے؛ یہ عام طور پر فحاشی، شراب نوشی اور اختلاط جیسی دیگر برائیوں کا پیش خیمہ بنتا ہے؛ ساز کی محفلیں وقت و مال کے ضیاع اور فرائض سے غفلت کا سبب بنتی ہیں؛ اور غیر محرم آوازوں و مناظر سے فتنے

کے دروازے کھلتے ہیں۔ یہ حکمتیں اس عمومی اصول سے جڑی ہیں کہ شریعت ذرائع کو بھی سدِ ذریعہ کے تحت روکتی ہے جب وہ بڑی خرابی تک لے جاتے ہوں۔ اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان کی فطری جمالیاتی حاجت کا انکار نہیں کیا گیا، بلکہ اس کے لیے پاکیزہ متبادل یعنی خوبصورت تلاوت، حمد و نعت اور اچھے اشعار کی راہ کھلی رکھی گئی ہے۔

مستثنیٰ و مختلف فیہ صورتیں

علمی دیانت کا تقاضا ہے کہ ان صورتوں کا ذکر بھی کیا جائے جن میں روایات خود رعایت دیتی ہیں۔ عید کے دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس دو بچیوں کے گانے اور دف بجانے کا واقعہ صحیح بخاری و مسلم میں موجود ہے جس پر نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ان سے منع کرنے سے روکا اور فرمایا کہ ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔ نکاح میں دف کے استعمال کی روایات بھی کتب میں آتی ہیں۔ ان واقعات کی بنیاد پر علماء نے دف جیسے سادہ آلے کو مخصوص مواقع پر بعض شرائط کے ساتھ جائز رکھنے کی بحث کی ہے، جبکہ فحش کلام، مرد و زن کے اختلاط اور فرائض کی غفلت کو سب کے نزدیک ناجائز رکھا گیا ہے۔ ان تفصیلات کا اصل فیصلہ فقہی کتابوں اور اہلِ علم کی طرف رجوع سے ہوتا ہے؛ اس مضمون کا مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ بحث یک رخ نہیں بلکہ نصوص کے مجموعے سے مرتب ہوتی ہے اور کورس کا مقررہ نتیجہ جمہور کے موقف کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

نوجوان نسل کے لیے عملی رہنمائی اور نتیجہ

موجودہ دور میں موسیقی محفلوں سے آگے بڑھ کر موبائل، انٹرنیٹ اور تفریحی صنعت کے ذریعے ہر گھر میں داخل ہو چکی ہے، اس لیے اس موضوع کی عملی اہمیت پہلے سے زیادہ ہو گئی ہے۔ تعلیمی نقطۂ نظر سے اس کی رہنمائی یہ نکلتی ہے کہ طالب علم سب سے پہلے اپنا ماحول اور صحبت درست کرے، فارغ وقت کو تلاوت، مطالعے، کھیل اور مفید مشاغل سے بھرے اور غیر ارادی ماحول کو ارادی گناہ کی محفل سے الگ رکھنے کی فقہی تفصیل اہلِ علم سے پوچھ کر اختیار کرے۔ نتیجہ یہ ہے کہ قرآنی تفاسیر، صحیح احادیث اور جمہور علماء کے موقف کی مجموعی روشنی میں کورس کا مقررہ موقف گانے بجانے کی حرمت کا ہے، جس کی حکمتیں دل کی حفاظت، فرائض کی پابندی اور معاشرے کو فتنوں سے بچانا ہیں۔

ساتھ ہی یہ اصول ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ کسی معین معاملے میں حتمی شرعی رائے اور اس کا کسی شخص پر اطلاق اہلِ علم کا کام ہے، طالب علم کا کام دلائل کو سیکھنا اور اپنی زندگی کو حتی الامکان ان کے مطابق ڈھالنا ہے۔

سوال نمبر 5: حدیث "إِنَّكُمْ تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَسْمَائِكُمْ" کا ترجمہ اور نام سے پکارنے کی ممانعت

سوال نمبر 5۔ "إِنَّكُمْ تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَسْمَائِكُمْ، وَأَسْمَاءِ آبَائِكُمْ، فَأَحْسِنُوا أَسْمَاءَكُمْ" حدیث کا ترجمہ لکھیں نیز کسی کو اصلی نام کے علاوہ دوسرے نام سے پکارنے کی ممانعت پر تفصیلی نوٹ تحریر کریں۔(20)

تعارف

نام انسان کی پہچان ہے اور اسلام نے نام رکھنے اور نام سے پکارنے دونوں کو آداب و تہذیب کا حصہ بنایا ہے۔ زیرِ بحث حدیث سنن ابی داؤد میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں قیامت کے دن ناموں کے ساتھ پکارے جانے کی خبر دے کر اچھے نام رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ سوال کا دوسرا حصہ اسی حدیث کی عملی توسیع ہے کہ کسی شخص کو اس کے اصلی نام کے بجائے برے القاب یا بگاڑے ہوئے ناموں سے پکارنا شریعت و اخلاق میں منع ہے۔ اس جواب میں پہلے حدیث کا ترجمہ و تشریح بیان کی جائے گی، پھر اچھے نام رکھنے کے اصول و مثالیں، نبی کریم ﷺ کا ناموں کی تبدیلی کا اسوہ، پھر برے نام و القاب سے پکارنے کی ممانعت کی قرآنی و حدیثی بنیاد، اس کے نفسیاتی و سماجی نقصانات اور آخر میں نتیجہ پیش کیا جائے گا۔

حدیث کا ترجمہ و تشریح

ترجمہ: بے شک تم قیامت کے دن اپنے ناموں اور اپنے باپوں کے ناموں سے پکارے جاؤ گے، لہٰذا اپنے نام اچھے رکھو۔ تشریح یہ ہے کہ قیامت کے دن میدانِ محشر میں ہر شخص کو اس کے نام اور اس کے والد کے نام کے ساتھ بلایا جائے گا، یعنی دنیا کی پہچان وہاں بھی باقی رہے گی۔ جب نام ابدی محفل میں پکارا جانے والا ہے تو اس کا اچھا، بامعنی اور

قابلِ فخر ہونا ضروری ہے۔ "اپنے نام اچھے رکھو" کے حکم میں والدین کے لیے بھی رہنمائی ہے کہ وہ اولاد کے نام رکھتے وقت وقتی فیشن کے بجائے معنی، نسبت اور انجام کو دیکھیں، اور بڑوں کے لیے بھی کہ اگر نام کا مفہوم برا ہو تو اسے بہتر نام سے بدلنا اسی حدیث کی روح ہے۔ بعض طرق میں اس روایت کی سند پر محدثین نے گفتگو بھی کی ہے، تاہم اس کا مفہوم دوسری صحیح روایات سے موید ہے جن میں اچھے ناموں کی پسندیدگی ثابت ہے۔

اچھے نام رکھنے کے اصول اور پسندیدہ نام

روایات سے نام رکھنے کے چند اصول ملتے ہیں۔ صحیح مسلم کی روایت میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن بتائے گئے ہیں، کیونکہ ان میں بندگی کی نسبت اللہ کی طرف ہے۔ انبیاء کے نام رکھنا بھی پسندیدہ قرار دیا گیا اور نبی کریم ﷺ نے اپنے صاحبزادے کا نام ابراہیم رکھا تھا۔ اس کے برعکس ایسے نام جن میں شرکیہ مفہوم ہو، تکبر و خود پسندی کی بو آتی ہو یا برا شگون پیدا ہوتا ہو، انہیں ناپسند کیا گیا ہے۔ سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں برّہ (جنت)، مرّہ (کڑوا) اور اسی نوعیت کے ناموں کی تبدیلی کا پس منظر آتا ہے۔ نام رکھنے میں یہ بات بھی علماء نے لکھی ہے کہ نام ایسا ہو جس سے بچے کو کل کو دوستوں میں شرمندگی نہ اٹھانی پڑے اور جو اس کی شناخت کو مثبت سمت دے۔ نیک نام انسان کی شخصیت پر نفسیاتی طور پر بھی اچھا اثر ڈالتا ہے، کیونکہ انسان بار بار اپنا نام سن کر اس کے مفہوم سے اندرونی نسبت محسوس کرتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا نام بدلنے کا اسوہ

نبی کریم ﷺ نے کئی مواقع پر برے مفہوم والے نام بدل کر اچھے نام رکھے۔ ایک عورت کا نام عاصیہ (نافرمان) تھا، آپ ﷺ نے اسے بدل کر جمیلہ رکھا۔ ایک صحابیہ کا نام برّہ (نیکوکار) تھا جس میں خود پسندی کا پہلو تھا، آپ ﷺ نے اسے زینب سے بدل دیا اور فرمایا کہ اپنے آپ کی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو۔ زمینوں اور جگہوں کے ناموں میں بھی آپ ﷺ نے بہتری فرمائی؛ ایک بستی کا نام عفرہ (بنجر) سے بدل کر خضرہ (سرسبز) رکھا گیا۔ یہ اسوہ بتاتا ہے کہ نام کی تبدیلی کو شرمندگی نہیں سمجھنا چاہیے، بلکہ یہ سنت کا حصہ ہے کہ مفہوم خراب ہو تو بہتر نام اختیار کر لیا جائے۔ البتہ دنیاوی ریکارڈ اور شناخت کے مسائل کی وجہ سے بڑی عمر میں تبدیلی میں عملی دشواری ہو تو اس کی شرعی تفصیل اہلِ علم سے پوچھ کر طے کی جاتی ہے؛ یہاں مقصود اصول کی وضاحت ہے۔

اصلی نام کے علاوہ دوسرے نام سے پکارنے کی ممانعت: قرآنی بنیاد

کسی کو اصلی نام کے علاوہ برے نام سے پکارنے کی واضح ممانعت سورۂ حجرات کی آیت 11 میں آئی ہے جس کا مفہوم ہے کہ نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو؛ ایمان کے بعد بُرا نام لینا فسق ہے۔ یہ آیت اس ممانعت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس میں وہ تمام صورتیں آ جاتی ہیں جہاں کسی کا نام بگاڑ کر، مذاق اڑا کر، جسمانی کمی یا خاندانی پس منظر کو نشانہ بنا کر پکارا جائے۔ قرآن نے اس عمل کو صرف اخلاقی برائی نہیں بلکہ ایمان کے بعد ناپسندیدہ رویہ قرار دے کر اس کی سنگینی واضح کر دی ہے۔ اسی سورہ میں غیبت اور سوئے ظن کی ممانعت بھی اسی سماجی اخلاق کا حصہ ہے جس میں زبان کی حفاظت کو ایمان کی علامت بنایا گیا ہے۔ اس لیے اس مسئلے کا اصل ماخذ صرف عرف نہیں بلکہ صریح قرآنی حکم ہے۔

حدیثی دلائل اور القاب کی اقسام

احادیث میں بھی اس ممانعت کی تاکید آئی ہے۔ ایک روایت میں کسی مسلمان کے لیے ایسے لقب کا استعمال جسے وہ ناپسند کرے، مذمت کے ساتھ بیان ہوا ہے، اور نبی کریم ﷺ کا اپنا اسوہ یہ تھا کہ آپ ہمیشہ لوگوں کو ان کے پسندیدہ ناموں سے پکارتے اور کنیت سے عزت دیتے تھے، مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کنیت خود ان کی پسندیدہ نسبت سے مشہور ہوئی۔ اس کے بالمقابل علماء نے القاب کی تین صورتیں بیان کی ہیں: پہلا وہ لقب جو عزت کے لیے ہو اور صاحبِ نام اسے پسند کرے، یہ جائز بلکہ محبت کی علامت ہے؛ دوسرا وہ لقب جس میں برا مفہوم ہو مگر شناخت اسی سے ہو گئی ہو اور صاحبِ نام برا نہ مانتا ہو، اس میں علماء کی تفصیلی بحث ہے؛ تیسرا وہ لقب جو مذاق، تحقیر یا تکلیف کے لیے استعمال ہو، یہ بالاتفاق ناجائز اور اسی ممانعت کا مصداق ہے۔ اس تفریق سے ظاہر ہوتا ہے کہ ممانعت کا محور نام نہیں بلکہ اہانت اور دل آزاری ہے۔

جدول: نام سے پکارنے کی صورتیں اور حکم کا خلاصہ

خلاصہ	مثال کا نوع	صورت
اصل اور پسندیدہ طرز	پورا نام یا پسندیدہ مختصر نام	اصلی اچھا نام

جائز؛ محبت و اکرام کی علامت	کنیت یا محبت بھرا لقب جو پسند ہو	عزت والا لقب / کنیت
ناپسندیدہ؛ دل آزاری کی صورت	نام توڑ مروڑ کر پکارنا	بگاڑا ہوا نام
قرآنی ممانعت کے تحت حرام طرزِ عمل	کمی، خاندان یا ماضی کو نشانہ بنانا	تحقیر والا لقب

برے نام سے پکارنے کے نفسیاتی و سماجی نقصانات

برے لقب سے پکارنا محض زبان کی خطا نہیں بلکہ اس کے گہرے اثرات ہوتے ہیں۔ نفسیاتی طور پر مسلسل تحقیر والا نام سننے سے انسان کی خود اعتمادی مجروح ہوتی ہے، خاص طور پر بچوں اور نوجوانوں میں یہ احساسِ کمتری مستقل شکل اختیار کر سکتا ہے۔ سماجی طور پر یہ ردِ عمل دشمنی، جھگڑوں اور خاندانی تعلقات کی خرابی کا سبب بنتا ہے، اور تعلیمی اداروں میں یہی طرزِ عمل آگے چل کر بُلینگ یعنی کمزور کو ستانے کی صورت اختیار کرتا ہے جس کے انجامات آج سب کے سامنے ہیں۔ اسلام نے اسی لیے زبان کی اس چھوٹی نظر آنے والی حرکت کو ایمان و فسق کی بحث میں رکھا تاکہ معاشرے کی فضا تحقیر کے بجائے احترام سے بھر جائے۔ والدین، اساتذہ اور بڑوں کی خاص ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کو ان کے اچھے ناموں سے پکاریں اور غصے میں بھی ان کے نام نہ بگاڑیں، کیونکہ بچے وہی سیکھتے ہیں جو وہ سنتے اور دیکھتے ہیں۔

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ زیرِ بحث حدیث دو جہتی رہنمائی دیتی ہے: ایک یہ کہ قیامت کی پکار کو یاد رکھ کر اچھے، بامعنی اور پاکیزہ نام رکھے جائیں؛ دوسری یہ کہ کسی کو اس کے اصلی نام کے علاوہ تحقیر یا مذاق والے نام سے پکارنا قرآن کی صریح ممانعت کے تحت ناجائز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے نام بدلنے کے اسوے سے بھی اور لوگوں کو عزت سے پکارنے کے عمل سے بھی یہ درس قائم کر دیا کہ مسلمان کی زبان کسی کی پہچان کو بگاڑنے کے لیے نہیں، اسے سنوارنے کے لیے ہے۔ طالب علم اگر اس ایک باب سے یہ عادت لے لے کہ وہ ہر شخص کو اس کے پسندیدہ نام سے پکارے گا تو یہ حدیث کا مطالعہ اس کے اخلاق میں ظاہر ہونا شروع ہو جائے گا، اور یہی اس یونٹ کا اصل مقصد ہے۔